

## فہرہ حالی کارڈ عمل: مذہبی و ادبی عوامل

### Reaction to Hali's Thought: Religious & Literal Factors

Open Access Journal

Qtly. Noor-e-Marfat

eISSN: 2710-3463

pISSN: 2221-1659

[www.nooremarfat.com](http://www.nooremarfat.com)

Note: All Copy Rights are Preserved.

**Gul Ahmed**

Ph.D. Scholar; Urdu Department, Allama Iqbal Open University, Islamabad.

**E-mail:** gulahmad110@gmail.com

**Abstract:** Maolana Altaf Hussain Hali was a renowned scholar and author of Urdu literature.

He was born in an era which was marked by a continued conflict between tradition and modernity. A new ideology was necessary in the wake of the glory of modern civilization which could guarantee the civilizational integrity of the Muslims of the Sub-continent. Hali tried to bring a revolution to their lives in the light of this new ideology. As a result of his effort, an ideological reaction made its way to society, prompted by many causes and reasons. One of the factors was the strong reaction against the new interpretation of religious thoughts. This article is concerned with this factor.

**Keywords:** Altaf Hali, Reaction, Sir Syed Ahmed Khan, Urdu Literature.

#### خلاصہ

مولانا الطاف حسین حالی اردو ادب کے ایک نامور دانشور اور ادیب تھے۔ انہوں نے ایک ایسے عہد میں جنم لیا جب قدیم و جدید کی چپقلش جاری تھی۔ جدید تہذیب کی چکاچوند میں انہیں نئی فکر کی ضرورت تھی جو مسلمانان برصغیر کی تہذیبی زندگی کی ضامن ہو۔ حالی نے اس نئی فکر کی روشنی سے ان کی زندگی میں انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش کے نتیجے میں ایک فکری رد عمل پیدا ہوا۔ جس کے کئی عوامل اور اسباب تھے۔ انہی میں سے ایک سبب مذہبی افکار کی تعمیر نو کے خلاف شدید رد عمل تھا۔ زیر نظر مقالے میں اسی عامل کا تحقیقی مطالعہ کیا گیا ہے۔

**کلیدی کلمات:** الطاف حالی، رد عمل، سر سید احمد خان، اردو ادب۔

## مقدمہ

مولانا الطاف حسین حالی اردو ادب کے ایک ایسے نامور ادیب اور شاعر تھے جنہوں نے اپنے سماج کے حالات کا بہ غور مشاہدہ کیا اور اپنی قوم کی زبوں حالی کو دور کرنے کے لئے ادب میں اجتہاد کا بیڑا اٹھایا۔ ان کی یہ ادبی کاوش ایک مسلسل فکری عمل کا نتیجہ تھی۔ حالی کی فکر کی تشکیل میں فارسی اور انگریزی لٹریچر سے آشنائی اور مطالعہ کا عنصر گہری تاثیر کا حامل تھا۔ وہ عربی زبان و ادب سے بھی شغف رکھتے تھے۔ سرسید احمد خان سے بھی ان کی قربت رہی۔ حالی نے انجمن پنجاب کے مناظروں میں بھی شرکت کی جو حالی کی فکری تشکیل کا ایک اہم سبب بنا۔ یقیناً حالی کے دماغ میں جس فکر نے پرورش پائی، حالی کے کلام اور آثار میں اس کا تراوش فطری عمل تھا۔ لیکن حالی کے افکار کی مذہبی، ادبی حلقوں میں مخالفت بھی ہوئی۔ اس مقالہ میں فکرِ حالی کے بیان کے ضمن میں اس کی مخالفت کے مذہبی، ادبی عوامل کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

## فکرِ حالی کی تشکیل

مولانا الطاف حسین حالی اردو ادب کے ایک نامور ادیب، شاعر، نقاد اور مفکر تھے جنہوں نے اردو ادب کو جدت آشنایا۔ انہوں نے حالات کا بہ غور مشاہدہ کیا اور اپنی قوم کی زبوں حالی کو دور کرنے کے لئے ادب میں اجتہاد کا بیڑا اٹھایا۔ ان کی یہ ادبی کاوش ایک مسلسل فکری عمل کا نتیجہ تھی۔ اس فکری تشکیل اور ارتقا میں کئی عناصر شامل تھے۔ یہ عناصر مولانا حالی کی علمی وادبی زندگی میں مختلف مقامات پر شامل ہوتے گئے۔ اس سلسلے میں مولانا حالی کا وہ بیان بنیادی اہمیت کا حامل ہے جس میں انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا:

”انہوں [والد] نے اول مجھے قرآن حفظ کرایا۔ اس کے بعد اگرچہ تعلیم کا شوق خود بخود میرے دل میں حد سے زیادہ تھا مگر باقاعدہ اور مسلسل تعلیم کا کبھی موقع نہیں ملا۔ ایک بزرگ سید جعفر علی مرحوم سے دو چار فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور ان کی صحبت میں فارسی لٹریچر سے ایک نوع کی مناسبت پیدا ہو گئی۔ پھر عربی کا شوق ہوا۔۔۔ مولوی حاجی ابراہیم حسین انصاری... سے صرف و نحو پڑھی۔ چند روز بعد بھائی اور بہن نے تامل پر مجبور کیا۔ اس وقت [۱۸۵۴ء] میری عمر ۱۷ برس کی تھی... میں گھر والوں سے روپوش ہو کر دہلی چلا گیا اور قریب ڈیڑھ برس کے [۱۸۵۵ء تک] رہ کر کچھ صرف و نحو اور کچھ کتابیں منطق کی مولوی نوازش علی مرحوم سے پڑھیں... میں نے دہلی میں ابتدائی شرح مسلم، ملا حسن اور میبذی پڑھنی شروع کی تھی کہ سب عزیزوں اور بزرگوں کے جبر سے چار و ناچار مجھ کو دہلی چھوڑنا اور پانی پت واپس آنا پڑا۔ یہ ذکر ۱۸۵۵ء کا ہے۔ دہلی سے آ کر برس ڈیڑھ برس تک پانی پت سے کہیں جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔“<sup>1</sup>

اپنی ابتدائی تعلیم کے بارے میں مندرجہ بالا اقتباس میں ایک جملہ: ”ان کی صحبت میں فارسی لٹریچر سے ایک نوع کی مناسبت پیدا ہو گئی۔“ قابلِ غور ہے۔ اب مولانا حالی کا دوسرا جملہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ملاحظہ ہو، جب وہ ۱۸۷۲ء میں لاہور گئے تھے۔ جس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”نواب شیفتہ کی وفات کے بعد پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو میں ایک اسامی مجھ کو مل گئی جس میں مجھے یہ کام کرنا پڑا تھا کہ جو ترجمے انگریزی سے اردو میں ہوتے تھے، ان کی اردو عبارت درست کرنے کو مجھے ملتی تھی۔ تقریباً چار برس میں نے یہ کام لاہور میں کیا۔ اس سے انگریزی لٹریچر کے ساتھ فی الجملہ مناسبت پیدا ہو گئی اور نامعلوم طور پر آہستہ آہستہ مشرقی اور خاص کر عام فارسی لٹریچر کی وقعت دل سے کم ہونے لگی۔“<sup>۲</sup>

حالی کا پورا ذہنی و فکری ارتقا ان دو جملوں کے درمیان موجود ہے۔ پہلا جملہ ”ان کی صحبت میں فارسی لٹریچر سے ایک نوع کی مناسبت پیدا ہو گئی“ اور دوسرا جملہ ”اس سے انگریزی لٹریچر کے ساتھ فی الجملہ مناسبت پیدا ہوئی اور نامعلوم طور پر آہستہ آہستہ مشرقی اور خاص کر عام فارسی لٹریچر کی وقعت دل سے کم ہونے لگی۔“ پہلے جملے کی ادائیگی کے بعد اور دوسرے دو جملے کہنے تک کی درمیانی تمام کڑیاں حالی کے ذہنی و فکری ارتقا کا اصل پتہ دیتی ہیں۔ ان دو جملوں کے درمیانی عرصے میں حالی سب سے پہلے فارسی ادب کے رسیا ہوئے؛ پھر عربی زبان و ادب کی طرف متوجہ ہوئے؛ جب شاعری کا آغاز کیا تو پہلے غالب کی شاگردی اختیار کی مگر جلد ہی یہ کہ ”غالب سے مجھے چنداں فائدہ نہ ہوا۔“<sup>۳</sup> غلام مصطفیٰ شیفتہ کی شاگردی اختیار کی۔

۱۸۷۱ء میں حالی نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ میں ”سید احمد خان اور ان کے کام“ کے عنوان پر ایک مضمون تحریر کیا۔ یہ مضمون سرسید احمد خان اور حالی کے درمیان قربت کا ایک ذریعہ بنا۔ اس کے بعد ۱۸۷۲ء میں حالی پہلے دہلی آئے اور پھر لاہور آگئے جہاں انہیں پنجاب بک ڈپو میں معاون مترجم کی ملازمت ملی جہاں ان کا کام انگریزی زبان کی کتب کے اردو تراجم کی پلک نوک سنوارنا تھا۔ اس ملازمت سے انہیں انگریزی ادب سے بالواسطہ آشنائی ہوئی۔ انگریزی زبان و ادب کے موضوعات اور خیالات سے آگاہی ان کی فکری تشکیل میں ایک اہم عنصر بن کر ابھری۔ لاہور میں حالی نے مولانا محمد حسین آزاد کی تحریک پر اور کرنل ہال رائیڈ کی تائید سے انجمن پنجاب کے مناظروں میں شرکت کی۔ ان مناظروں کا مقصد غزل کی بجائے نظم کو فروغ دینا تھا اور نظم میں بھی مغربی موضوعات کی ترویج و اشاعت تھا۔ لہذا حالی نے چار مناظروں میں شرکت کی اور چار نظمیں: برکھارت، نشاط امید، حب الوطن اور مناظرہ رحم و انصاف پیش کیں۔ یہ پلیٹ فارم بھی حالی کی فکری تشکیل کا ایک اہم سبب بنا۔ اسی دوران سرسید اور حالی کے درمیان راہ و رسم بڑھی اور حالی سرسید تحریک کے ایک فعال اور سرگرم رکن بن کر سامنے آئے۔ سرسید تحریک کے تمام فکری زاویے اس دوران حالی کی فکر کا حصہ بنے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

## عربی زبان و ادب اور حالی

مولانا حالی نے قرآن مجید حفظ کیا ہوا تھا اس کے علاوہ عربی صرف و نحو اور دیگر مذہبی عربی کتب بھی پڑھیں تھیں؛ اس لیے ان کی فکری تشکیل میں اس عنصر نے بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ ۱۸۶۳ء سے ۱۸۷۰ء کے درمیان حالی نے ایک رسالہ ”مولود شریف“ تحریر کیا جو ان کی اردو نثر کا ابتدائی نمونہ ہے۔ ۱۸۵۶ء میں جب حالی آئیس برس کے تھے تب حالی نے حاجی جان محمد قدسی کی مشہور نعتیہ غزل ”مرحبا سید مکی مدنی العربی“ پر ایک تفسیر لکھی اور اس میں ”خستہ“ تخلص اختیار کیا۔ یہ عربی آمیز اردو نعت ہے۔ ۱۸۶۷ء میں ایک مناظرانہ کتاب ”تزیان مسموم“ تحریر کی جو ہے تو اردو زبان میں مگر اس میں ایک مرتد پادری عماد الدین کی کتاب ”ہدایت المسلمین“ کا مسکت جواب دیا گیا تھا۔ اس کتاب میں آیات اور احادیث نبوی کی روشنی میں ان اعتراضات کا جواب دیا گیا تھا جو مرتد پادری نے اسلام اور حضور رحمت عالم ﷺ پر کیے تھے۔ اس کے علاوہ ۱۴۸ اشعار پر مشتمل ایک عربی قصیدہ بھی اسی سال کی تخلیق ہے جس کا پہلا شعر درج ذیل ہے:

موی الحور بلوی کل حبر و نادب  
فتنة قیس وزلة راہب<sup>4</sup>

لاہور میں قیام کے دوران تین عربی نظمیں بھی تخلیق کیں؛ پہلی نظم اکرام اللہ خان کی شادی پر سولہ اشعار پر مشتمل ہے جس کا ابتدائی شعر یہ ہے:

بنفسی ماہہ جاء البشیر  
ومی افدی بہ شئی یسیر<sup>5</sup>

دوسری نظم میں نو اشعار ہیں جس کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے:

هل من بلیغ عن محصور لاہور  
عن مبتلی فیہ بعد الکور بالحور<sup>6</sup>

تیسری نظم کارڈی قائم مقام ڈائریکٹر محکمہ تعلیم پنجاب کی مدح میں کہا گیا ایک قصیدہ ہے جو اس عربی شعر سے شروع ہوتا ہے:

لنا آسیا ئین عند خصاصة  
تکون بنا ان نلتجی بالقصائد<sup>7</sup>

لاہور کے قیام کی ایک نثری کاوش ”طبقات الارض“ ہے جو ایک عربی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ ستمبر ۱۸۹۳ء میں حالی نے اپنا مشہور و معروف مقدمہ ”مقدمہ شعر و شاعری“ مکمل کیا جو ان کے دیوان کے ساتھ چھپا۔ یہ مقدمہ اردو میں منظم تنقید کا پہلا منشور کہلاتا ہے۔ حالی نے اپنے اس مقدمے میں اپنے تنقیدی نظریات کی بنیاد مشرقی اور مغربی ادبیات کے تنقیدی عناصر پر رکھی۔ جن مشرقی ادبا اور شعرا سے حالی نے استفادہ کیا ان میں رعشی، ابن رشیق، ابو تمام، عبد اللہ بن معدیکب، عمیر اکانی، ابن دراج اندلسی، زبیر ابی سلمی، نظیر نیشاپوری، رودکی، عمر خیام، فردوسی، سعدی، شقائق صغائی، اصمعی، ابن خلدون اور محقق طوسی شامل ہیں۔

حالی نے اپنے تنقیدی نظریات پیش کرتے ہوئے ان مشرقی ادبا اور شعرا کے افکار و نظریات سے مثالیں دی ہیں۔ عربی زبان میں ابو تمام نے اپنے ”حماسہ“ میں اخلاقی اشعار کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کیا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ متنبی نے نازک خیالی کے شیشے میں علوہمت، عزت نفس اور تہذیب امور کا بادہ گل رنگ پیش کیا ہوا ہے۔ یوں عربی زبان و ادب سے بھی حالی نے صرف اخلاقی شاعری کو پسند کیا اور اپنی فکر کا مستقل حصہ بنا ڈالا۔

### فارسی زبان و ادب اور حالی

اپنی ابتدائی تعلیم کے دوران حالی کو ابتداً فارسی زبان و ادب سے خصوصی لگاؤ ہوا جو اگرچہ جلد ہی ماند پڑ گیا مگر اس کے اثرات حالی کی شاعری اور نثری کاوشوں میں موجود ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی ایک کتاب ”اصول فارسی“ قابل ذکر ہے جو ۱۸۶۸ء میں فارسی صرف و نحو کے موضوع پر تالیف کی گئی۔ اس کتاب کی تالیف کا سبب محکمہ تعلیم پنجاب کا ایک انعامی اعلان تھا۔ اس کے علاوہ فارسی زبان میں ایک فارسی قطعہ بھی ملتا ہے جو حالی کی غالب کے ساتھ عقیدت کی غمازی کرتا ہے۔ اس قطعے کا ابتدائی شعر درج ذیل ہے:

تو اے کہ رونق پیشینیاں بہم بشکست  
زنظم ونثر توکاندر زمانِ ماگفتی<sup>8</sup>

۱۸۷۷ء میں حالی نے نواب کلب علی خان کی مدح میں ۷۸ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ بھی تخلیق کیا جس کا پہلا شعر یہ ہے:

سحر گہ بگرفتند چون از زشت و از زیبا  
بدل گفتم کدما میں نعمت آید برتر از نعمتا<sup>9</sup>

۱۸۸۲ء میں حالی نے ”سفر نامہ حکیم ناصر خسرو“ پر ایک طویل مضمون فارسی زبان میں تحریر کیا۔ ۱۸۸۶ء میں حالی نے فارسی زبان و ادب کے عظیم ادیب شیخ سعدی کی سوانح حیات ”حیات سعدی“ مرتب کی جس کے دوسرے حصے میں شیخ سعدی کے کلام پر تنقیدی آرا بھی ملتی ہے۔ فارسی لٹریچر سے مناسبت کا ہی یہ ثبوت ہے کہ حالی نے ”حیات سعدی“ تخلیق کی۔ حالی کی فکری تشکیل میں ان کی اخلاقی شاعری کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ سعدی بھی علم اخلاق کے بہت بڑے معلم تھے اس لیے حالی نے فارسی کے اس عظیم معلم اخلاق کی سوانح عمری مرتب کی۔ سعدی کا علم اخلاق حالی کی اردو شاعری کا مرکزی نقطہ ہے۔

اس کے علاوہ حالی اور سعدی دونوں جامع نظم و نثر تھے، دونوں شاعری اور نثر نگاری میں ایک طرزِ نو کے موجود تھے۔ دونوں صنعت، تکلف اور مبالغے سے متفرق تھے۔ ۱۸۹۸ء میں سرسید کی وفات پر فارسی میں ایک مرثیہ لکھا جو حالی کی دلی کیفیات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ اس کا پہلا شعر درج ذیل ہے۔

آہ آہ از مرگ۔ دھر آشوب سید آہ آہ  
آنکہ در بر ناملائم قوم را بودی پناہ<sup>10</sup>

۱۹۰۶ء میں والی افغانستان امیر حبیب اللہ جب ہندوستان آئے تو نواب محسن الملک کی فرمائش پر حالی نے ایک قصیدہ لکھا جس کے ابتدائی اشعار درج ذیل ہیں:

می رسد گر فرقِ عزت بگذرد از فرقداں      میزبانے را کہ شاہے چوں تو باشد مہیمان

گر بہ رقص آید در و دیوار کالج نیست      زین طرب کامد بہ دیدارش امیر کامراں<sup>11</sup>

۱۱ مئی ۱۹۰۷ء میں مولانا شبلی ایک حادثے کا شکار ہوئے تو حالی نے ایک فارسی رباعی لکھی جس میں کہتے ہیں:

شبلی کہ گزند پاش پردل شکن است      باخستگی خستگی مقترن است

چنداں کہ بکاھند فزایند این جا      کار آستین چمن ز پیراستن است<sup>12</sup>

حالی چوں کہ جلد ہی مشرقی ادب سے گریزاں ہو گئے تھے اس لیے فارسی زبان و ادب میں صرف اتنا ہی سرمایہ دستیاب ہے۔

### انگریزی زبان و ادب اور حالی

انگریزی زبان و ادب سے حالی کی شناسائی پنجاب بک ڈپو کی ملازمت کی بدولت ہوئی۔ انگریزی کتب کے اردو تراجم کی درستی کے دوران ان پر مغربی افکار و نظریات منکشف ہوئے تو یہ عمل حالی کی فکری تشکیل میں ایک اہم عامل کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس کے سب سے پہلے اثرات ان کی ایک نظم ”جو ان مردی کا کام“ میں نظر آتے ہیں جو دراصل ایک انگریزی حکایت سے ماخوذ ہے۔ لاہور میں ہی انجمن پنجاب کاپلیٹ فارم بھی مغربی موضوعات کی ترویج و شاعت کا ایک اہم باب تھا۔ اس پلٹ فارم پر حالی نے چار نظمیں نئے موضوعات پر تخلیق کیں۔ ۱۸۷۸ء میں حالی نے ایک نظم ”زمزمہ قیصری“ تحریر کی جو مسٹر اسٹوک کی انگریزی نظم کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ نظم چھتیس بندوں پر مشتمل ہے۔

اس بارے میں حالی لکھتے ہیں کہ مسٹر اسٹوک ایک انگریز مصنف نے دربارِ قیصری منعقدہ ۱۸۷۵ء کے موقع پر ایک انگریزی نظم لکھی تھی جس کے تین حصے تھے: پہلے حصے میں ہندوستان اور مسلمان بادشاہوں اور انگریزی سلطنت کی ابتدا اور ترقی کا ذکر ہے؛ دوسرے حصے میں ان کا تذکرہ ہے جو دربارِ قیصری میں شریک ہوئے تھے۔ پہلے حصے میں مصنف نے بعض مسلمان بادشاہوں پر نکتہ چینی کی ہے اسی طرح ایک اور انگریز نے محمود غزنوی کے متعلق کچھ اشعار نظم کیے ہیں۔<sup>13</sup>

۱۸۸۰ء میں حالی نے مولانا محمد حسین آزاد کی کتاب ”نیرنگ خیال“ پر ایک بسیط تقریظ لکھی جو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں چھپی جس میں حالی نے آزاد کی مغرب کی پیروی کی روش کو سراہا اور کہا: ”میرے نزدیک جب تک ہمارے اہل وطن مغربی علوم اور مغربی لٹریچر اپنی دیسی زبان میں نہ سیکھیں گے؛ کبھی ان کے خیالات میں

شگفتگی اور بالیدگی پیدا نہیں ہو سکتی۔“<sup>14</sup> ملکہ وکٹوریہ کی مدح میں حالی کا ایک قصیدہ بھی ملتا ہے جو انجمن اسلامیہ کی گولڈن جوبلی کے موقع پر تخلیق کیا گیا۔ ۱۹۰۱ء میں انہی کی وفات پر ایک مرثیہ ”ملکہ وکٹوریہ کی وفات“ لکھا جس کی خاص بات یہ ہے کہ اس کے دوسرے بند کے آخری شعر سے لے کر تیسرے بند کے آٹھویں شعر تک انجیل کی کوئی نہ کوئی تلمیح موجود ہے اور ساتھ حواشی کا اہتمام بھی ہے۔ اگست ۱۹۰۵ء میں جب تھیوڈر مارلسن جو کہ علی گڑھ کالج کے عملے میں شامل تھے؛ جب واپس اپنے ملک جانے لگے تو حالی نے ان کی تعریف میں بائیس اشعار پر مشتمل ایک الوداعی نظم پڑھی جس کو سن کر مارلسن آبدیدہ ہو گئے۔

ان تمام تخلیقی کاوشوں سے مترشح ہے کہ حالی نے انگریز، انگریزی زبان اور ادب سے کس قدر اثرات قبول کیے اور ان عناصر نے ان کی فکری تشکیل میں کتنا کردار ادا کیا؟ اسی طرح اگر مقدمہ شعر و شاعری کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کئی مغربی مفکرین اور ادبا کے نظریات و افکار اس مقدمے کا حصہ ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حالی مغربی علم و ادب کا مطالعہ تراجم کی مدد سے کرتے تھے جس سے ان کی ذہنی و فکری تشکیل ہوئی۔ حالی نے اپنے منفرد انداز میں عورتوں کے مسائل اور ان کی تربیت کا اہتمام کرنے کے لئے ایک کتاب مجالس النساء تحریر کی ہے۔ اس میں حالی نے ملکہ وکٹوریہ کو ایک مثالی کردار کے طور پر پیش کر کے انگریزوں سے مرعوبیت کا اظہار کیا ہے۔

### سر سید اور حالی

حالی سر سید کی تحریک کے اہم رکن تھے۔ سر سید تحریک کا ادبی زاویہ متعین کرنے میں حالی کا ہی کلیدی کردار ہے۔ افادی، اصلاحی اور اخلاقی شاعری کا رجحان اردو ادب میں متعارف کروانے کا سہرا حالی ہی کے سر ہے۔ اس لیے جب بھی اس قسم کی شاعری تخلیق ہوئی۔ سر سید نے داد و تحسین کا غلغلہ بلند کیا۔ گویا حالی سر سید ہی کے دل کی بات کرتے تھے۔ ”مسدس حالی“ کی اشاعت پر سر سید نے اسے اپنی بخشش کا ذریعہ قرار دیا تھا بعد میں بھی وقتاً فوقتاً جب بھی اسی قسم کی شاعری کی گئی تو سر سید نے آگے بڑھ کر اس کی تحسین کی۔ سر سید چوں کہ انگریزوں کی حمایت میں کمر بستہ تھے اس لیے حالی جب سر سید تحریک سے باضابطہ منسلک ہوئے تو حالی بھی انگریزی عمل داری کو باعثِ برکت جاننے لگے۔ یہ سر سید کا پڑھایا ہوا سبق تھا۔<sup>15</sup> اسی طرح جب حالی نے پرانی شاعری کا مذاق اڑایا اور ناپاک دفتر قرار دیا تب بھی سر سید نے اس کی تعریف کی تھی۔<sup>16</sup>

حالی، سر سید کے کام کو اپنا کام سمجھتے تھے اس لیے سر سید کی مخالفت کا جواب حالی دیتے رہے۔ جس کا ثبوت حالی کی یہ تخلیقی کاوشیں ہیں: قطعہ سید احمد خان کی تکفیر، قطعہ سید احمد خان کی مخالفت کی وجہ، قطعہ سید احمد خان کی تصانیف کی تردید، قصیدہ ناتمام در مدح سید احمد خان، مرثیہ خان سید احمد خان اور حیات جاوید۔ اس کے علاوہ حالی نے علی گڑھ کے بارے میں اشعار کہے ہیں جو ان کی علی گڑھ سے دلی وابستگی کا اظہار ہے۔ اس سلسلے میں ان کی نظم

”علی گڑھ کالج کیا سکھاتا ہے؟“ قابل ذکر ہے بل کہ حالی نے اس نظم میں علی گڑھ کالج کا منشور مرتب کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی حالی کے اشعار میں علی گڑھ کے تعلیمی ادارے کی تعریف و توصیف ملتی ہے۔ ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ حالی، علی گڑھ تحریک کے سرگرم رکن تھے اور اس تحریک کے مقاصد پر مکمل کاربند تھے۔ سرسید تحریک سے باضابطہ وابستگی کے بعد حالی کے تمام شعری و نثری کارنامے دراصل علی گڑھ تحریک کے مقاصد سے مکمل ہم آہنگ ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ حالی کی ذہنی و فکری تشکیل میں سرسید تحریک کے گہرے اثرات شامل ہیں۔

### فکرِ حالی اور اردو ادب

حالی کی فکری تشکیل میں مندرجہ بالا تمام عناصر نے حصہ لیا۔ اس تشکیلی عمل کے نتیجے میں حالی کی تخلیقات سامنے آئیں۔ ان تمام تخلیقی و تالیفی کاوشوں میں ان تمام عناصر کے اثرات واضح دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس فکری عمل کے نتیجے میں حالی نے اردو ادب میں ”اجتہاد“ کا علم بلند کیا۔ حالی نے اس ”اجتہاد“ رویے کے تناظر میں اردو ادب کا از سر نو جائزہ لیا اور سب سے پہلی ضرب اردو کی آبرو ”غزل“ پر لگائی اور اس کا مزاج بدلنے کی عملی کوشش کی۔ دوسری طرف انھوں نے جدید ”نظم نگاری“ کو پروان چڑھایا اور نظم میں نئے موضوعات کو داخل کیا۔ فطرت، سیاست، معاشرت، سماج اور تمدن کو نظم میں داخل کر کے ایک نئی راہ نکالی۔ تنقید کے میدان میں حالی نے روایت سے ہٹ کر مغربی ادب اور مفکرین کے افکار و نظریات کو اپنی تنقید کی بنیاد بنایا اور جدید تنقید کی بنیاد رکھی۔ جدت پسندی کو رائج کرنے کے لئے حالی نے اردو ادبیات کے بعض مروجہ اصول و ضوابط سے انحراف بھی کیا اور اوزان و بحر کے معاملے میں حالی سے کئی مقامات پر تسامحات بھی سرزد ہوئے۔

اس کے علاوہ الفاظ کے استعمال میں بھی حالی نے کوئی احتیاط نہ کی۔ عربی اور فارسی کے کئی غریب الفاظ استعمال کیے جو جمالیاتی پہلو سے ناگوار نظر آتے ہیں۔ حالی نے نثر کے معاملے میں مروجہ اسلوب سے بھی انحراف کیا تھا۔ سرسید کے زیر اثر سادہ نثر نگاری میں اپنا ایک الگ اسلوب تخلیق کیا جب کہ اس عہد میں اگرچہ غالب نے نثر کے معاملے میں ”اجتہاد“ کا دروازہ کھول دیا تھا؛ مگر مسجع و مقفی نثر لکھنے کی روایت جاری تھی۔ حالی نے سرسید اور غالب کی راہ پر چلتے ہوئے اس مروجہ نثر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ حالی نے بعض اصنافِ سخن کو نئے سرے سے رواج دیا۔ جس سے ان اصناف کو برتنے کا چلن عام ہوا۔ مسدس جو پہلے صرف مرثیے کے لئے مخصوص تھی؛ حالی نے ”مد و جزرِ اسلام“ لکھ کر اس کو عام موضوعات کے لئے بھی جائز قرار دے دیا۔ اسی طرح ترکیب بند کی ہیئت کو بھی حالی نے مقبول عام بنایا۔ علاوہ ازیں مرثیے اور قصیدے کو بھی نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ مرثیے اور قصیدے میں مبالغے کو ختم کرنے کی کوششیں کیں اور حقیقت نگاری کا چلن جاری کیا۔

اس سلسلے میں حالی نے خود مرثیے اور قصیدے لکھ کر اس پر عمل بھی کیا۔ اردو سوانح نگاری کو جدید تنقیدی اصولوں کے مطابق مرتب کرنے کا سہرا بھی حالی کے سر ہے۔ مقالات نگاری اور مضمون نگاری میں طرزِ حالی کا رنگ منفرد ہے۔ مضمون نگاری میں حالی نے سائنسی اندازِ فکر اختیار کیا۔ دلائل و براہین سے اپنے موقف کو ثابت کرنے کا طریقہ کار حالی کی منفرد پہچان بنی جس سے سائنٹیفک نثر نگاری کا آغاز ہوا۔ حالی نے اردو شاعری کو حقیقت نگاری کی راہ دکھائی اور اس کے لئے سادہ اور عام فہم اسلوب اختیار کیا۔ دور از کار تشبیہات اور استعارات خیالی سے گریز کر کے ایک نیا انقلاب برپا کیا۔

### فکرِ حالی کا ردِ عمل

نیوٹن نے تجربات و مشاہدات سے ایک قانون اخذ کیا تھا جس کے مطابق ہر عمل کا ایک ردِ عمل ہوتا ہے جو سمت میں مخالف ہوتا ہے مگر قوت میں برابر ہوتا ہے۔ یہ قانون طبیعیات میں حرکت کے قوانین میں شامل ہے۔ یہ خالصتاً ایک سائنسی قانون ہے مگر اس کا اطلاق سائنس کے مضامین کے علاوہ دیگر علوم پر بھی ہوتا ہے۔ ادب بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ ہر ردِ عمل دراصل عمل سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر عمل نہ ہو تو جسم حالت سکون میں رہے گا۔ جب عمل ہو گا تو جسم حرکت میں آئے گا اور مخالف سمت میں ردِ عمل بھی پیدا ہو گا۔ حالی نے بھی ادب کے پر سکون تالاب میں اپنی فکر کا پتھر پھینکا۔ پتھر کے گرنے سے تالاب میں اضطراب پیدا ہوا جس کے نتیجے میں فکرِ حالی کی لہریں پیدا ہوئیں۔ یہ لہریں دو اقسام کی تھیں: ایک حالی کی اس نئی فکر کو قبول کرنے کی لہر اور دوسری حالی کی فکر کی مخالفت کی لہر۔

بہر حال یہ بات انظہر من الشمس ہے کہ دونوں اقسام کی لہروں کے پیدا ہونے کا سبب فکرِ حالی ہی ہے۔ اس لیے حالی کی مخالفت دراصل حالی کی فکر سے متاثر ہونے کا ایک الگ انداز ہے؛ ڈاکٹر جمیل جالبی اس سلسلے میں لکھتے ہیں: "ان [حالی] کا انقلاب ایک خاموش انقلاب ہے جس کے اثرات اتنے ہی اہم ہیں جتنے کسی انقلاب کے ہو سکتے ہیں۔ مختلف طبقے ان سے متاثر ہوئے۔ ان کی مخالفت بھی ان سے متاثر ہونے کا ایک انداز ہے... اردو کا کوئی ایسا ادیب، شاعر اور نقاد نہیں ہو گا جو ان سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ رکھتا ہو مگر کسی نہ کسی طرح حالی کے زیر اثر نہ ہو۔"<sup>17</sup> حالی کی فکری تشکیل میں چون کہ کئی عناصر شامل تھے؛ اس لیے ان کی فکر کی مخالفت کے محرکات و عوامل بھی کئی عناصر پر مشتمل ہیں۔ جن کا مفصل تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ ان اسباب و عوامل نے فکرِ حالی کی مخالفت کا بھرپور اہتمام کیا۔ ان تمام فکری عناصر میں ایک اہم عنصر مذہبی عوامل ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کا واحد سہارا مذہب ہی بچا تھا؛ سو مسلمانوں نے اسی میں پناہ لینے میں عافیت سمجھی۔ اس سے ایک ایسا

شعور اور تقاضا پذیر ہوا کہ مذہب کے معتقدات و معاملات میں سے کسی سے ذرا بھی بھول چوک ہوئی؛ مسلمان علمائے اس پر فوراً گرفت کی اور شدت سے اس کا رد کیا۔

علماء کا ایسا رد عمل بر محل اور فطری تھا اور درحقیقت یہ علماء کے منصب کا تقاضا بھی تھا۔ کیوں کہ علماء دین کی حفاظت کو اپنا ایمان گردانتے ہیں۔ نوآبادیاتی نظام کی بدولت عالم اسلام میں بالعموم اور برصغیر میں بالخصوص نئے سیاسی نظام سے مسلمانوں کے اندر اجتماعیت کا شعور پیدا ہوا اور اس شعور کی بیداری سے کئی مسلم جماعتیں وجود میں آئیں۔ ان میں سے بعض جماعتوں اور فرقوں کو انگریزوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ انہی فرقوں میں ایک ”وہابی تحریک“ بھی تھی۔ عرب میں اس تحریک نے اسلام میں ایک نئے مکتبہ فکر کی بنیاد رکھی۔ اس نئے مکتبہ فکر نے حجاز مقدس میں ”شُرک“ کے نام پر کئی ایسے اقدامات کیے گئے، جس نے مسلمانانِ عالم کو شدید اضطراب میں مبتلا کر دیا۔ جن میں سے حجاز مقدس میں علماء کا قتل عام، جنت البقیع کا انہدام اور روضہ رسول ﷺ کو مسمار کرنے کی کوششیں وغیرہ شامل تھے۔

یہ ایسے اقدام تھے جس سے مسلمانانِ عالم میں عمومی طور پر اور مسلمانانِ برصغیر میں خصوصی طور پر اضطراب پیدا ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان سے مسلمانوں کا ایک وفد اسی سلسلے میں حجاز مقدس گیا اور مسلمانانِ برصغیر کے غم و غصے سے ان شیوخ کو آگاہ کیا۔ حجاز مقدس میں اس قسم کی سرگرمیوں سے ”وہابی تحریک“ کو عالم اسلام اور برصغیر میں شکوک و شبہات کی نظر سے دیکھا جانے لگی۔ عبدالوہاب کی اس تحریک سے ہندوستان میں بھی کچھ لوگ متاثر ہوئے۔ مولانا اسماعیل دہلوی، سید احمد بریلوی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فرزندوں میں سے شاہ عبدالرحیم بھی انہی ”متاثرین“ میں سے تھے؛ دوسری طرف علمائے دیوبند بھی اسی تحریک سے متاثر نظر آتے ہیں مگر ان کے قائدین کے ہاں تند بذب اور گومگو کی کیفیت نظر آتی ہے۔ مولانا حسین احمد مدنی اسے خارجی قرار دیتے ہیں۔<sup>18</sup> مولانا انور شاہ کشمیری اسے ظالم و خون خوار درندہ کہتے ہیں۔<sup>19</sup> جب کہ مولانا رشید احمد گنگوہی اسے صالح اعمال رکھنے والا شخص کہتے ہیں۔<sup>20</sup> اس کے مقابلے میں مولانا احمد رضا دلوک موقف کا اظہار کرتے ہوئے اسے خارجی قرار دیتے ہیں۔<sup>21</sup> مولانا احمد رضا خان اس وقت سوادِ اعظم کی نمائندگی کر رہے تھے؛ ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے زیادہ تعداد انہی کے پیروکاروں کی تھی۔

یوں ان حالات میں متحدہ ہندوستان میں ”وہابی تحریک“ کے خلاف ایک سخت ردِ عمل پیدا ہوا۔ عام مسلمان اس فریقے کو انگریزوں کا پروردہ سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سرسید کو بھی یہ کہنا پڑا کہ پس وہابی جس آزادی مذہب سے انگلش گورنمنٹ کے سایہ عاطفت میں رہتے ہیں، دوسری جگہ ان کو میسر نہیں؛ ہندوستان ان کے لئے دارالامن ہے۔<sup>22</sup> اس وجہ سے ”وہابی فرقہ“ ہندوستان میں مسلمانوں کی اکثریت کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ مولانا

الطاف حسین حالی بھی اسی فرقے سے متاثر تھے۔ حالی کی وہابی تحریک سے وابستگی نے ان کے مخالفین میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ حالی نے ایک عربی رسالہ تحریر کیا جو ایک منطقی مسئلے کے سلسلے میں مولوی صدیق حسن خان بہادر کی تائید میں تھا۔

اس کے بارے میں خواجہ غلام الثقلین اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں: ”عذر سے دو تین سال پہلے مولانا دہلی میں زیرِ تعلیم تھے۔ اس زمانے میں ایک عربی رسالہ آپ نے تصنیف کیا جس میں ایک منطقی مسئلہ مولوی صدیق حسن خان بہادر کی تائید میں تھا جسے ان کے استاد نے پڑھ کر نہایت ناراضگی [ناراضی] کا اظہار کیا؛ یہاں تک کہ اسے چاک کر دیا۔ مولانا کو قدرتی طور پر رنج ہوا لیکن استاد نے جو مشہور حنفی عالم تھے اور حسین بخش مدرسے میں پڑھاتے تھے، کہا کہ رسالہ اگرچہ نہایت لیاقت سے لکھا گیا تھا مگر چون کہ ایک وہابی کی تائید میں تھا؛ اس لیے چاک کر دیا گیا۔“<sup>23</sup>

حالی کی یہ پہلی تصنیف تھی۔ اس لیے اس واقعے کا حالی پر اتنا شدید اثر ہوا کہ بہ قول مالک رام حالی نے اس کے بعد دس سال تک کچھ نہ لکھا اور بالکل خاموش رہے۔ اس کے علاوہ حالی نے ”مسدس حالی“ میں انہی عقائد کی پرزور مذمت کی جو وہابی تحریک کے نزدیک ”شرکیہ“ تھے۔ بالفاظِ دیگر حالی نے ”مسدس“ میں وہابی تحریک کے عقائد کا کھل کر دفاع کیا اور عامتہ المسلمین کے مزارات پر جانے کو پرستش سے تعبیر کیا۔

کرے غیر بت کی پوجا تو کافر	جو ٹھہرائے پینا خدا کا تو کافر
بجھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر	کو اکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں	پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں	اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات ندریں چڑھائیں	شہیدوں سے جا جا کے مائیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آوے	نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے <sup>24</sup>

ان ”وہابی نظریات“ سے اتفاق، پرچار اور تبلیغ نے حالی کے مخالفین میں قابلِ قدر اضافہ کیا۔ اس کے علاوہ حالی نے مسدس کے ایک بند میں رسول رحمت ﷺ کے لئے منصب رسالت کے لحاظ سے انتہائی نامناسب الفاظ استعمال کیے ہیں۔ بند درج ذیل ہے:

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم	نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم	کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی	کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور اٹیچی بھی <sup>25</sup>

اس بند میں مولانا الطاف حسین حالی نے حضور رحمت عالم ﷺ کے بارے میں "بے چارگی" کا لفظ استعمال کیا ہے جو کہ منصب رسالت کی شان میں گستاخی ہے اور مولانا اسماعیل دہلوی نے بھی اپنی کتاب "تقویت الایمان" میں بھی کچھ اسی قسم کے عقائد کا اظہار کیا تھا جس میں حضور رحمت عالم ﷺ کو ایک مجبور اور بے بس شخصیت کی صورت میں پیش کیا تھا۔<sup>6</sup> اس کتاب کو انگریزوں نے سرکاری وسائل سے چھاپ کر پورے برصغیر میں مفت تقسیم کیا تھا اور برصغیر میں فرقہ واریت کا آغاز بھی اسی کتاب کے مرہون منت ہے۔ اس قسم کے بے احتیاطی اور وہابی عقائد کے پرچار سے حالی کی مخالفت میں اضافہ ہوا۔

اس کے علاوہ حالی نے اپنی نثری تصنیف "مجالس النساء" میں ملکہ وکٹوریہ کو مسلمان خواتین کے لئے بہ طور ایک نمونہ پیش کیا جس سے مسلمانوں کی طرف سے سخت رد عمل آیا۔ علی عباس حسینی لکھتے ہیں: "بچوں کے لئے بہ طور نمونہ اور مثال ہر بار ملکہ وکٹوریہ ہی پیش کی جاتی ہے۔ کیا حالی کو اسلامی یا ہندوستانی خواتین میں کسی کی سیرت ایسی نہیں ملتی تھی جس کی وہ بچوں کو تبلیغ کرتے؟ ممکن ہے انگریز مرہبوں کی خوش نودی کے خیال سے یہ حصے لکھے گئے ہوں تاکہ یہ نصاب میں ضرور داخل کر دی جائے اور زیادہ سے زیادہ پڑھی اور پڑھائی جائے۔ جو کچھ بھی اسباب ہوں غیر ملکی حاکموں کی منقبت نے کتاب کی قدر و قیمت کو آزاد ہندوستان میں بہت گھٹا دیا ہے۔"<sup>27</sup>

اس کے علاوہ سرسید سے وابستگی بھی فکرِ حالی کی مخالفت کا ایک بڑا مذہبی سبب تھی۔ سرسید برصغیر میں چون کہ "عقلیت" کے پروردہ تھے۔ اس لیے انھوں نے برصغیر میں "عقلیت" کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ "عقلیت" کو اگر معاملات میں داخل کیا جاتا تو کوئی بات نہیں تھی۔ سرسید نے اس کے برعکس معتقدات میں "عقلیت" کو اس طرح داخل کیا کہ بعض بنیادی اسلامی عقائد کا انکار کر بیٹھے۔ سرسید کے انہی عقائد کی وجہ سے علما نے انہیں ایک نئے فرقے "نیچری" کا بانی قرار دیا تھا۔ اس عہد میں مسلمانوں کے پاس دے دلا کر ایک مذہب ہی بچا تھا، سو وہ اس معاملے میں کوئی سودا بازی کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لیے سرسید کی مخالفت تو تھی ہی ساتھ حالی کی سرسید سے وابستگی اور سرسید کے بے جا حمایت نے فکرِ حالی کی مخالفت مزید بڑھی۔

اس کے علاوہ سرسید کی لکھی گئی تفسیر بھی حالی کی مخالفت کا ایک بڑا سبب بنی۔ اگرچہ حالی اس معاملے میں سرسید کے نکتہ نظر سے متفق نہیں تھے مگر اپنے ہیر وکے محاسن بیان کرنے میں حالی کو اس تفسیر کی حمایت کا کڑوا گھونٹ بھی بھرنا پڑا اور "حیات جاوید" میں حالی نے اس تفسیر کی اشاروں کنایوں میں بھرپور تائید کی۔

سرسید کی انگریزوں سے وفاداری تو کسی سے ڈھکی چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو سرسید اور حالی دونوں "غدر" کا نام دیتے ہیں جو ان کی فکری احساس کی غمازی کرتی ہے۔ اس کے علاوہ جنگِ آزادی میں سرسید نے کئی انگریزوں کی جانیں بھی بچائی تھیں جس کا تذکرہ سرسید نے خود بھی کیا ہے اور حالی نے بھی

”حیاتِ جاوید“ میں اس بات کا اقرار کیا ہے۔ انگریزوں سے وفاداری مسلمانانِ برصغیر کے لئے ناقابلِ قبول رویہ تھا۔ اس کے علاوہ سرسید نے ”عقلیت“ کی تحریک کو خوب پروان چڑھایا یہاں تک کہ ”مذہبی لٹریچر“ میں بھی نکتہ چینی کا آغاز کر دیا۔ سرسید کے اس عمل سے ایک باب جو صدیوں سے بند تھا؛ وہ کھل گیا جس سے ایسی تحریکیں اور رُجانات وجود میں آئے جنہوں نے اسلام کے انتشار میں بھرپور کردار ادا کیا۔

سرسید کی ”عقلیت“ کی یہ ابتدا ”پرویز“ کی فکر میں معراج کے درجے تک جا پہنچی۔ جنہوں نے احادیثِ نبوی کا ہی انکار کر دیا۔ اس طرح سرسید کی عقلیت نے دین کا ایک نیازاویہ متعارف کروایا۔ سرسید نے اس کی وضاحت خود کی اور کہا پس جو مذہب کہ ہمارے سامنے پیش کیے جاتے ہیں ان کی صداقت کی یہی معیار ہو سکتی ہے کہ اگر وہ مذہبِ فطرتِ انسانی یا نیچر کے مطابق ہے تو سچا ہے۔<sup>28</sup>

سرسید نے مذہب کے معیار کو فطرتِ انسانی سے منطبق کیا جو کہ مذہب کا ایک بالکل نیازاویہ فکری تھا۔ علما کی گرفت سے عام مسلمانوں میں سرسید کا یہ نقطہ نظر مقبول نہ ہو سکا جس کی وجہ سے سرسید کے عقائد پر سخت موقف سامنے آئے۔ سرسید نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اسلام کے بعض ایسے بنیادی معتقدات کے بارے میں بھی عجیب و غریب موقف اختیار کیے جو کہ صریحاً اسلام سے متصادم تھے۔ مثلاً فرشتوں کے متعلق ان کا موقف یہ تھا: ”قرآنِ مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے، ثابت نہیں ہوتا بل کہ برخلاف اس کے پایا جاتا ہے... فرشتے نہ کوئی جسم رکھتے ہیں اور نہ دکھائی دے سکتے ہیں۔ ان کا ظہور بلا شمول مخلوق موجود کے نہیں ہو سکتا۔“<sup>29</sup>

اسی طرح جبریل و میکائیل دونوں مقرب فرشتوں کے بارے میں رقم طراز ہیں: ”ان دونوں کے نام قرآنِ مجید میں آنے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ درحقیقت اس نام کے دو فرشتے مع تشخصِ عالی حدۃ علی حدۃ ایسی ہی مخلوق ہیں جیسے کہ زید و عمر... فرشتوں کے نام یہودیوں کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔“<sup>30</sup> اسی طرح سرسید فرشتوں کے علاوہ جنات کو بھی ماننے سے انکاری ہیں اور کہتے ہیں کہ جہاں جن کے لفظ کافی الواقع ایک مخلوق مستقل پر اطلاق ہوا ہے؛ اس سے جنگلی اور وحشی انسان مراد ہیں جو پوری تمدنی حالت نہیں ہیں۔<sup>31</sup> معجزات و کرامات پر بھی ان کا موقف انتہائی تشدد تھا اور سرسید نے ان کا بھی انکار کر دیا اور کہا کہ انسان کے دین، دنیا اور تمدن و معاشرت بل کہ زندگی کی حالت کو کرامت اور معجزہ پر یقین یا اعتقاد رکھنے سے زیادہ خراب کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔<sup>32</sup>

سرسید نے صرف اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ مسلمانوں کے عظیم سپہ سالاروں محمود غزنوی اور عالم گیر کی بت شکنی کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا۔<sup>33</sup> مگر جب بات انگریزوں کی بات آئی تو ان کی اطاعت کو مذہباً فرض قرار دے دیا: ”ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ خدا کی طرف سے ایک رحمت ہے۔ اس کی طاقت اور فرماں برداری اور پوری وفاداری اور نمک

حالی، جس کے سایہ عاطفت میں ہم امن امان سے زندگی بسر کرتے ہیں، خدا کی طرف سے ہمارا فرض ہے۔ میری یہ رائے آج کی نہیں ہے بل کہ پچاس ساٹھ برس سے میں اسی رائے پر قائم اور مستقل ہوں۔<sup>34</sup> سرسید اس سے بھی آگے بڑھے اور انگریزوں سے جہاد کی حرمت کا ”فتویٰ“ بھی جاری کر دیا اور جہاد کرنے والوں کو سزائے موت کا حق دار قرار دے دیا۔<sup>35</sup> ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ سرسید نے ضرورت اور بے ضرورت دونوں طرح انگریزوں کی تائید کی جو ان کی سب سے بڑی کمزوری سمجھی جاتی ہے اور حالی بھی اسی کمزوری کا شکار رہے ہیں۔ لہذا اس قسم کے نظریات رکھنے والا عام مسلمانوں کے لئے قابل قبول شخصیت نہیں ہو سکتا تھا۔ اگرچہ حالی کے بعض مذہبی نظریات کلیدی سرسید سے مختلف تھے مگر ”حیات جاوید“ میں حالی نے سرسید کی حد سے زیادہ طرف داری کی اور ان کی ”تفسیر القرآن“ کی بھرپور خصوصیات گنوائی ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی حالی کے اس رویے پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”وہ سرسید کی مدح ہی کرنا چاہتے ہیں۔ سرسید ان کے ہیر و ہیں لیکن معاشرے نے سرسید کی قدح میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا؛ اس لیے وہ قدح کے پہلو بھی سامنے لاتے ہیں مگر ان کا جواز ڈھونڈ کر ان کو بھی محاسن میں تبدیل کر دیتے ہیں۔“<sup>36</sup>

اس کے علاوہ حالی نے سرسید احمد خان کے خیالات کو تصنیف و تالیف کے ذریعے پیش کرنے میں بھرپور سرگرمی دکھائی۔ اس لیے ”مسدس حالی“ کی اشاعت پر سرسید احمد خان نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ”بے شک میں اس (نظم) کا محرک ہوا اور اس کو اپنے ان اعمالِ حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب خدا مجھ سے پوچھے گا کہ تو کیا لایا؟ میں کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھو لایا ہوں اور کچھ نہیں۔“<sup>37</sup> اپنے ہیر و کی تعریف و توصیف اور ان کے عیوب سے پردہ پوشی یا ان کی خامیوں کا جواز تلاش کرنا فکرِ حالی کی فکر کی مخالفت کا ایک اور بڑا سبب بنا۔

اردو ”ہند اسلامی تہذیب“ کی ترجمان زبان تھی۔ اردو زبان کا خمیر عربی، فارسی اور مقامی بولیوں سے اٹھا تھا جس کی وجہ سے یہ ہر دل عزیز زبان بن گئی۔ اس کا رسم الخط بھی عربی سے مستعار ہے جو کہ مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے۔ اسی وجہ سے بنارس میں ہندوؤں کی طرف سے باقاعدہ اردو زبان کی مخالفت میں ایک تحریک کا آغاز کیا۔ جس کو تاریخ اردو ہندی تنازعے کے نام سے جانتی ہے۔ انگریزوں کے آنے سے ان کی تہذیب، تمدن اور ثقافت بھی پھیلنے لگی۔ انگریز مسلمانوں کی ہر شناخت ختم کرنا چاہتے تھے تاکہ مسلمانانِ برصغیر الگ شناخت کے ہر پہلو سے الگ ہو جائیں تاکہ جغرافیائی قومیت کو فروغ دیا جاسکے۔ اس کے لئے انھوں نے سب سے پہلا شکار اردو کو نشانہ بنایا۔ انگریزوں نے مسلمانوں کی اس شناخت کا اثر کم کرنے کے لئے اداروں، اشخاص اور حکومت کو استعمال کیا۔ جس کا ایک ثبوت اردو میں انگریزی لفظیات کا حد سے زیادہ استعمال ہمیں سب سے پہلے سرسید اور ان کے رفقا کی شعوری کوششوں میں نظر آتا ہے۔

اس اقدام کا مقصد اردو زبان کا عربی اور فارسی زبان سے تعلق بتدریج ختم کرنا تھا۔ ان اقدامات کی وجہ سے انگریزی تہذیب نے پڑھے لکھے مسلمان طبقے پر گہرے اثرات مرتب کیے؛ انگریزی طرز کے مکانات بنانے کو فروغ ملا؛ مغربی طرز کے لباس کو ترجیح دی جانے لگی؛ انگریزی طرز کی بود و باش اختیار کرنے کی کاوشیں ہونے لگیں؛ انگریزی زبان و ادب کو مقدم سمجھا گیا؛ اور مغربی تہذیب کے ہر عنصر کو اپنانے کی سعی کی گئی۔ اس عہد کے اردو ادب میں بھی اس قسم کی صورت حال کا عکس ملتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کا ناول ”ابن الوقت“ اس صورت حال کا سب سے بڑا عینی شاہد ہے جس میں ”ابن الوقت“ مغربی تہذیب کے ہر عنصر پر کار بند رہنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ ذرائع ابلاغ نے بھی اس نئی تہذیب کے خلاف بھرپور اپنا کردار ادا کیا۔

”اودھ پنچ“ نے جس طرح مغربی تہذیب کی بیخ کنی کی، وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ انگریزوں کی بے جا طرف داری اور مذہب کا نیا نقطہ نظر متعارف کروانے پر ”اودھ پنچ“ نے سرسید کو ”پیر نیچر“ کہہ کر خوب مذاق اڑایا۔ شاعری میں اکبر الہ آبادی اس پر اپنا سخت رد عمل دیا۔ ادھر دینی سطح پر علما نے بھی اس تہذیب و تمدن کے خلاف شدید رد عمل دیا۔ مولانا احمد رضا اسی مغربی تہذیب کے متعلق لکھتے ہیں: ”انگریزی وضع کے کپڑے پہننا حرام، اشد حرام اور انہیں پہن کر نماز مکروہ تحریمی، قریب الحرام، واجب الاعادہ کہ جائز کپڑے پہن کر نہ پھیرے تو گناہ گار، مستحق عذاب، العیاذ باللہ العزیز الغفار۔“<sup>38</sup>

ان حالات میں انگریزوں اور سرسید کی حمایت کرنا حالی کے لئے مشکل امر ثابت ہوا اور مخالفت کا ایک طوفان ان کے خلاف کھڑا ہوا۔ یوں ادبی میدان میں ادب اور شعر اور دینی محاذ پر علما نے مغربی تہذیب و تمدن کو آڑے ہاتھوں لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عام مسلمان مغربی تہذیب و تمدن کو اپنی شناخت کا خاتمہ سمجھنے لگے اور جو کوئی بھی مغربی تہذیب و تمدن، ادب، زبان یا ثقافت کی حمایت کرتا تو عامۃ المسلمین، اس سے بریت کا اظہار کرتے اور اسے انگریزوں کا ایجنٹ سمجھتے۔ اس صورت حال میں جب حالی نے سرسید کا دامن تھما اور سرسید تحریک کے تمام پہلوؤں کی بھرپور حمایت کی اور اپنے علمی وادبی کام میں مغربی تہذیب و تمدن کی عکاسی کی تو مسلمانان برصغیر کی طرف سے شدید رد عمل آیا۔ ”حیات جاوید“ میں سرسید کی مساعی کو جواز کے لبادے میں پیش کرنے سے لے کر شاعری میں انگریزوں کے قصائد لکھنے تک سارا عمل مسلمانان برصغیر کے لئے ناقابل قبول تھا۔ اس لیے فکرِ حالی کی مخالفت کا ایک سبب یہی مذہبی عوامل تھے۔ فکرِ حالی کے رد عمل میں ایک کثیر علمی وادبی سرمایہ اشاعت آشا ہوا۔ جس سے نئے نئے زاویہ نگاہ سامنے آئے جس سے علم وادب کی سرحدیں مزید وسعت آشا ہوئیں۔ یہ وسعت بھی حالی کے اثرات کا نتیجہ قرار پاتی ہے۔

## نتیجہ گیری

مولانا الطاف حسین حالی کی فکر کئی جزا کا مرکب تھی۔ ان اجزا میں صرف ایک جزو جو کہ مذہبی عامل تھا اس پر تفصیلی بحث ہوئی۔ اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ یہ عامل ایک مضبوط عامل بن کر فکرِ حالی کا جزو لازم بنا۔ اس عامل نے فکرِ حالی کے مخالفین میں اضافہ کیا۔ چوں کہ مذہب کسی بھی شخص کے لیے مرکزی حیثیت کا حامل ہوتا ہے اس لیے جب حالی نے اپنے مخصوص طرزِ تفکر کی بنیاد پر جو کہ بذات خود قابلِ نقد ہے، مذہبی عقائد اور افکار کی تعبیر نو کی طرف توجہ کی تو حالی کی مخالفت کا ایک طوفان اٹھا جس کے نتیجے میں اردو ادبیات میں نئی مباحث نے جنم لیا اور نئے زاویے منکشف ہوئے۔ یہ سارا شعری اور نثری سرمایہ اصل میں حالی کی فکر کا نتیجہ ہے۔ حالی کے عہد سے لے کر آج تک اردو ادبیات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو فکرِ حالی کے اثرات سے مملو نہ ہو۔

\*\*\*\*\*

## References

1. Maolana Altaf Hussain, Hali, *Maqalat-e Hali* (New Delhi, Anjunn Taraqqi e Urdu, 1982), 265-266.  
مولانا الطاف حسین، حالی، مقالاتِ حالی (نئی دہلی، انجمن ترقی اردو، 1982ء)، 265-266۔
2. Maolana Altaf Hussain, Hali, *Hali ki Kahani Khud Un ki Zabani*, (Lucknow, Foroughi e Urdu, Hali No. 1959), 9.  
مولانا الطاف حسین، حالی، حالی کی کہانی خود ان کی زبانی (لکھنؤ، فروغ اردو، حالی نمبر، 1959ء)، 9۔
3. Maolana Altaf Hussain Hali, *Maqalat e Hali*, 65-266.  
حالی، مقالاتِ حالی، 265-266۔
4. Maolana Altaf Hussain, Hali, *Kal-iyāt Nazm-e Hali*, (Lahore, Majlis Taraqqi e Adab, 1968), 435.  
مولانا الطاف حسین، حالی، کلیاتِ نظمِ حالی (لاہور، مجلس ترقی ادب، 1968ء)، 435۔
5. Ibid, 433.  
ایضاً، 433۔
6. Ibid, 432.  
ایضاً، 432۔
7. Ibid.

- ایضاً۔
8. Ibid, 411.
- ایضاً، 411۔
9. Ibid, 281.
- ایضاً، 281۔
10. Ibid, 297.
- ایضاً، 297۔
11. Ibid, 393.
- ایضاً، 393۔
12. Hali, *Kal-iyāt Nazm-e Hali*, 245-246.
- حالی، کلیاتِ نظمِ حالی، 245-246۔
13. Dr. Ghulam Mustafa Khan, *Hali ka Zehni o Fikri Irtiqa* (Karachi, Fazli Sons, 2003), 31-32.
- ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، *حالی کا ذہنی و فکری ارتقا* (کراچی، فضلی سنز، 2003ء)، 31-32۔
14. Maolana Altaf Hussain Hali, *Maqalāte Hali*, Vol:2, (Delhi, Anjuman Taraqqi e Urdu, 1936), 139
- مولانا الطاف حسین حالی، *مقالاتِ حالی*، ج 2 (دہلی، انجمن ترقی اردو، 1936ء)، 139۔
15. Dr. Abdul- Qayum, *Hali ki Nathar Nigari* (Lahore, Majlis e Taraqqi e Adab, 1964), 123.
- ڈاکٹر عبدالقیوم، *حالی کی نثر نگاری* (لاہور، مجلس ترقی ادب، 1964ء)، 123۔
16. Mumtaz Hussain, *Azadi ka Sha'er*, *Sahifa*, Hali No, Issue # 121-22, (Lahore, Majalis-e Taraqi-e Adab, Jan-Jun 2015), 312.
- ممتاز حسین، آزادی کا شاعر، مشمولہ مجلہ صحیفہ، حالی نمبر، شمارہ نمبر 121-22 (لاہور، مجلس ترقی ادب، جنوری تا جون 2015): 312۔
17. Dr. Jameel, Jalbi, *Tarīkh-e Adab-e Urdu*, Vol.4, (Lahore, Majlis Taraqqi e Adab, 2015), 983.
- ڈاکٹر جمیل جالبی، *تاریخ ادب اردو*، ج 4 (لاہور، مجلس ترقی ادب، 2015ء)، 983۔
18. Maolana Hussain Ahmad, Madni, *Al Shahab U Saqib* (Lahore, Darul Kitab, 2004), 23.
- مولانا حسین احمد، مدنی، *الشہاب الثاقب* (لاہور، دارالکتب، 2004ء)، 23۔
19. Maolana Anwar Shah, Kashmiri, *Al Mohand Al Mufand* (Lahore, Almeezan, 2005), 90-92.

- مولانا انور شاہ، کشمیری، *المسند المفند* (لاہور، المیزان، 2005ء)، 90-92۔
20. Maolana, Rasheed Ahmad, Gangohi, *Fatwa-e Rashidia*, (Quetta, Al Maktabatul Al Hanfia, nd.), 90-92.
- مولانا رشید احمد، گنگوہی، *فتاویٰ رشیدیہ* (کوئٹہ، المکتبۃ الحنفیہ، سن ندارد)، 90-92۔
21. Maolana, Ahmad Raza, *Fatwa- e Rizwiya*, Vol. 27 (Lahore, Riza Foundation, 2000), 443.
- مولانا احمد رضا *فتاویٰ رضویہ*، ج 27 (لاہور، رضا فاؤنڈیشن، 2000ء)، 443۔
22. Sir Syed Ahmad Khan, *Khud Nawisht Afkaar e Sir Syed*, Compile by Zia U Din Ahmad, (Karachi, Fazli Sons, 1998), 52.
- سر سید احمد خان، *خودنوشت افکار سر سید*، مرتبہ ضیال الدین احمد (کراچی، فضلی سنز، 1998ء)، 52۔
23. Saliha Abid Hussain, *Yadgar-e Hali*, (Mirpur, Arslan Books, nd.), 27-28.
- صالحہ عابد حسین، *یادگار حالی* (میرپور، ارسلان بکس، سن ندارد)، 27-28۔
24. Maolana Altaf Hussain, *Hali, Mussadas-e Hali* (Lahore, Taj Company, nd.), 51.
- مولانا الطاف حسین، *حالی، مسدس حالی* (لاہور، تاج کمپنی، سن ندارد)، 51۔
- 25 Ibid, 51.
- ایضاً، 51۔
26. Maolana Ismael, Delhi, *Taqwiyat al-Imaan* (Multan, Kuttab Khanna e Majeedia, nd.), 18.
- مولانا اسماعیل، *دلہوی، تقویٰ الایمان* (ملتان، کتب خانہ مجیدیہ، سن ندارد)، 18۔
27. Ali Abbas, Husseini, *Majalis al-Nisa*, comprised upon *Foroughi-e Urdu*, Hali No (Lucknow, Idarah Farough-e Adab, nd.), 344.
- علی عباس، حسین، *مجالس النساء*، مشمولہ فروغ اردو، حالی نمبر (لکھنؤ، ادارہ فروغ ادب، سن ندارد)، 344۔
28. Sir Syed Ahmad Khan, *Safar Nama-e Punjab* (Ali Garth, Sir Syed Acadmy, 2009), 197.
- سر سید احمد خان، *سفر نامہ پنجاب* (علی گڑھ، سر سید اکیڈمی، 2009ء)، 197۔
29. Sir Syed Ahmad Khan, *Tafsir al-Quran*, (Lahore, Rifai e Aam Sateem Press, nd.), 47.
- سر سید احمد خان، *تفسیر القرآن* (لاہور، رفاه عام سٹیٹ پریس، سن ندارد)، 47۔
30. Ibid, 153-154.
- ایضاً، 153-154۔

31. Ibid, 81.

ایضاً، 81۔

32. Sir Syed Ahmad Khan, *Maqalāt-e Sir Syed*, Vol. 1, (Lahore, Majlis e Taraqi Adab, 1962), 123.

سر سید احمد خان، مقالات سر سید، ج 1 (لاہور، مجلس ترقی ادب، 1962ء)، 123۔

33. Sir Syed Ahmad Khan, *Tafsīr al-Quran*, 109-110.

سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، 109-110۔

34. Sir Syed Ahmad Khan, *Khutbah*, Rodad Muhammdan Educational, 9th Meeting, 169.

سر سید احمد خان، خطبہ، مشمولہ روداد محمدان ایجوکیشنل کانفرنس، اجلاس نہم، 169۔

35. Sir Syed Ahmad Khan, *Ali Garth Institute Gazett*, (Lakhnau, Urdu Academy, 1871), 259.

سر سید احمد خان، علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ (لکھنؤ، اردو اکادمی، 1871ء)، 259۔

36. Jameel Jalbi, Dr, *Tarīkh Adeb-e Urdu*, Vol. 4, (Lahore, Majlis Taraqqi e Adab, 2007), 762

ڈاکٹر جمیل، جالبی، تاریخ ادب اردو، ج 4 (لاہور، مجلس ترقی ادب، 2007ء)، 762۔

37. Dr. Syed Taqi, Abdi, *Mussadas-e Hali*, (Jhelum, Book Corner, 2015), 12.

سید ڈاکٹر تقی، عابدی، مسدس حالی (جہلم، بک کارنر، 2015ء)، 12۔

38. , Maolana, Ahmad Raza, *Fatwah-e Raviya*, Vol. 3, 442.

مولانا احمد رضا، فتاویٰ رضویہ، ج 3، 442۔